سلسلہ دعوات عبدیت کے

حصہ اوّل کا چوتھا وعظ

الصوف لمن یصوف

منجملہ ارشادات

حضرت حکیم الامۃ مجدد الملۃ عالم ربانی مولانا ومقتدانا حاجی حافظ
قاری شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی فاروقی چشتی حنفی قدس سرہ

بہ تصحیح

(محمد سراج الحق مچھلی شہری)

ناشر:- مکتبہ جامع اخوانہ حسن منزل الہ آباد ۳

باہتمام عبدالمجید اسرار کریمی پریس الہ آباد میں چھپا

ربیع الاول ۱۳۷۴ھ نومبر ۱۹۵۴ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مواعظ اشرفیہ

فہرست مضامین وعظ سیرۃ الصوفی

وعظ نمبر ۳

تمت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سلسلہ دعوات عبدیت

جلد اول وعظ نمبر

سیرۃ الصوفی

(صحبۃ الشیخ والتصوف)

این	متی	کم	کیف	ماذا	من ضبط	المستمعون	اشتات
کہاں ہوا	کب ہوا	کتنا ہوا	کھڑے ہوکر یا بیٹھ کر	کیا مضمون تھا	کس نے لکھا	سامعین کی تخمینی تعداد	متفرقات
جامع مسجد تھانہ بھون	۲۲ محرم ۱۳۳۹ھ	تقریباً ۲ گھنٹہ	بیٹھ کر	طریق سلوک کا دستور العمل	[illegible]		

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونومن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یہدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ہادی لہ و نشہد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ ونشہد ان سیدنا ومولانا محمداً عبدہ ورسولہ صلی اللہ علیہ وسلم اما بعد فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یٰٓاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۝ قُمِ الَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلًا ۝ نِّصْفَهٗٓ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِیْلًا ۝ اَوْ زِدْ عَلَیْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا ۝ اِنَّا سَنُلْقِیْ عَلَیْكَ قَوْلًا ثَقِیْلًا ۝ اِنَّ نَاشِئَةَ الَّیْلِ هِیَ اَشَدُّ وَطْـًٔا وَّاَقْوَمُ قِیْلًا ۝ اِنَّ لَكَ فِی النَّهَارِ سَبْحًا طَوِیْلًا ۝ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ اِلَیْهِ تَبْتِیْلًا ۝ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِیْلًا ۝ وَاصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِیْلًا ۝ وَذَرْنِیْ وَالْمُكَذِّبِیْنَ اُولِی النَّعْمَةِ وَمَهِّلْهُمْ قَلِیْلًا ۝ بعض احباب ارباب سلوک نے مجھسے استدعا کی کہ اگر ہمارے لئے کچھ دستور العمل کے طور پر بیان ہوجائے تو بہتر ہے۔ اسوقت بوجہ کسی مضمون کے حاضر نہونیکے اور نیز ایسے مضامین کیلئے خلوت مناسب ہونے کے میں نے حتمی وعدہ نہیں کیا مگر آج صبح کو سورۂ مزمل کی یہ ابتدائی آیات قلب میں وارد ہوئیں معلوم ہوا کہ اُن میں تمام تر طریق سلوک ہی مذکور ہے اسلئے آج انھیں آیات کے متعلق کچھ بیان کیا جاتا ہے [ع] اور بیان سے پہلے یہ تبلا دینا ضروری ہے کہ عوام یہ نہ سمجھیں

ع اور چونکہ مسائل علوم معاملہ کے ہیں علوم مکاشفہ کے نہیں اسلئے اعلان کا بھی مضائقہ نہیں۔ ۱۲ منہ۔

کہ اس میں ہمارا کیا نفع ہوگا۔ یہ طریقہ تو خواص کیلئے ہے ہم دنیا داروں کیلئے نہیں۔ سو بات یہ ہے کہ سرے سے یہ تقسیم
ہی صحیح نہیں کہ دنیا داروں کے لئے اور احکام اور دینداروں کیلئے اور احکام کیونکہ مسلمان ہونے کی حیثیت
سے سب برابر ہیں اور احکام شرعی سب کیساتھ یکساں متعلق ہیں۔ بلکہ حقیقت میں مسلمان دنیا دار ہوتا ہی نہیں
کیونکہ دنیا داری حقیقت میں یہ ہے کہ حرام و حلال میں کچھ امتیاز نہ رہے جسطرح سے بنے مال حاصل کرنے کو مقصود ۶
سمجھے۔ اگر کہیں دونوں غرضیں دین و دنیا کی جمع ہوجائیں تو دنیوی غرض کو مقدم رکھا جائے اور یہ خیال
کیا جائے کہ دین سے ہم کو کوئی غرض نہیں کیونکہ شریعت کے احکام اسقدر دشوار ہیں کہ اگر ہم ان پر عمل کریں
تو دنیا کی زندگی مشکل ہے سو ظاہر ہے کہ اسلام کے ساتھ ان خیالات کی گنجائش کہاں ہے کیونکہ اس سے تو
باری تعالیٰ کی تکذیب کی نوبت پہونچتی ہے یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر اور لا یکلف
اللہ نفسا الا وسعہا (اللہ تعالیٰ تمہارے لئے آسانی ہی چاہتے ہیں تم پر سختی کرنا نہیں چاہتے اور اللہ تعالیٰ کسی پر ذمہ داری
اتنی ہی ڈالتا ہے جتنی اسمیں سہار اور برداشت ہو) اور اگر یہ عذر کیا جائے کہ ہم تکذیب نہیں کرتے۔ مگر جب واقعات ہی روز مرہ
اس امر کی شہادت دے رہے ہیں کہ احکام شرعیہ پر چلنا بہت مشکل ہے تو ہمارا کیا قصور ہے۔ اس اشتباہ کا جواب یہ ہے
کہ ایک مشقت تو ہوتی ہے ذات حکم میں مثلاً وہ حکم فی حد ذاتہ سخت اور دشوار ہو۔ یہ اصر اور آغلال کہلاتی ہیں
اُمم سابقہ میں بعض ایسے احکام تھے مگر اس اُمت میں اس قسم کے احکام نہیں رکھے گئے اور ایک مشقت یہ ہے
کہ دراصل ذات حکم میں تو کوئی دشواری نہیں مگر ہم نے اپنے اغراض فاسدہ کی وجہ سے خود اپنی حالت ایسی بگاڑ
لی اور قوم نے متفق ہوکر شریعت کے خلاف عادتیں اختیار کرلیں کہ وہ رسم عام ہوگئی اور ظاہر ہے کہ جب
اس رسم عام کے خلاف کوئی حکم شرعی پر چلنا چاہے گا تو ضرور اسکو اس آسان اور بے ضرر حکم میں دشواری
پیدا ہوگی۔ اسکی مثال ایسی ہے کہ جیسے کوئی طبیب کسی مریض کو دو پیسہ کا نسخہ لکھ دے مگر مریض چونکہ گاؤں
میں رہتا ہے جہاں کے لوگوں کی نادانی کی وجہ سے یا اس وجہ سے کہ وہ لوگ اس قسم کی ضروری اور مفید
چیزوں کی رغبت نہیں رکھتے وہ چیزیں وہاں نہیں آتیں اور نہیں مل سکتیں۔ اس دو پیسہ کے نسخہ کو وہاں
نہیں پی سکتا۔ اب فی نفسہ نسخہ گراں نہیں کمیاب نہیں مگر اس گاؤں والوں نے خود اپنا دستور بگاڑ رکھا ہے
اسواسطے وہاں نہیں مل سکتا۔ اس صورت میں ہر عاقل یہی کہے گا کہ علاج بالکل آسان ہے مگر یہ قصور اس
جگہ کے رہنے والوں کا ہے کہ ایسی معمولی چیزیں بھی نہیں مل سکتیں۔ ایسا ہی ہمارا حال ہے کہ مجموعۂ قوم نے مل کر
ایسی حالت بگاڑ دی ہے کہ اب احکام شرعیہ کے بجا لانے میں دشواری پیدا ہوگئی ہے مثلاً بہانہ کیا جاتا ہے کہ
تنخواہ کم ہے بھلا اگر رشوت نہ لیں تو کام کیسے چلے اگر اپنے اخراجات اندازہ سے رکھے جائیں تو تنخواہ کیوں
نہ کفایت کرے۔ یا مثلاً عام طور پر بیر۔ آم کی بیع۔ پھل آنے سے پہلے کیجاتی ہے اور اگر ایک بچنا چاہے تو ضرور

کسی قدر دقت پیش آتی ہے لیکن اگر سب اتفاق کرلیں کہ اسطرح سے کوئی خرید و فروخت نہ کرے تو دیکھیں پھر کیا دشواری پیش آتی ہے۔ دشواری حقیقی تو وہ ہے کہ اگر سب ملکر بھی اسکو دور کرنا چاہیں جب بھی دور نہ ہوسکے اور جو سب ملکر اس مذموم رسم اور طریق کو چھوڑنا چاہیں اور وہ چھُوٹ جائے تو یہ دشوار نہیں آسان ہے۔ یہ عارضی دشواری تو صرف اپنا طرز معاشرت بگاڑ دینے اور طریق تعامل کو خراب کردینے سے پیدا ہوگئی ہے سو یہ تنگی خود اپنے اوپر تنگی ڈال لینے سے ہوئی۔ تعجب ہے کہ خود اپنی تنگی کو نہ دیکھیں شریعت پر تنگی کا الزام دیں جیساکہ اس شیر نے جس کا قصہ مثنوی میں ہے خرگوش کے بہکانے سے اپنا عکس دیکھا اور اسکو دوسرا شیر سمجھ کر اُس پر حملہ کرنے کو کنوئیں میں کود پڑا در اصل وہ خود اپنے اوپر حملہ کر رہا تھا۔ ایسے ہی ہم اپنے عیب کو آئینہ شریعت میں دیکھ رہے ہیں اور ناسمجھی سے اُسکو شریعت کی تنگی بتلا رہے ہیں سو یہ درحقیقت شریعت پر حملہ نہ ہوا بلکہ خود اپنی ذات پر حملہ کر رہے ہیں ؎

حملہ بر خود می کنی اے سادہ مرد　　ہمچو آں شیرے کہ بر خود حملہ کرد

(اے بھولے آدمی۔ یہ تو تو اپنے ہی اوپر حملہ کر رہا ہے جیسے وہ شیر جس نے دریا نی میں اپنا عکس دیکھ کر خود اپنے اوپر حملہ کیا تھا)

ہماری تنگی کا یہی قصہ ہے۔ بعض لوگ عذر کرتے ہیں کہ ہم ناجائز معاملات رشوت ستانی وغیرہ ضرورت کیوجہ سے کرتے ہیں۔ مگر حقیقت میں وہ لوگ جسکو ضرورت کہتے ہیں وہ ضرورت بھی نہیں۔ بلکہ محض حظوظ نفسانیہ ہیں جنکا نام ضرورت رکھ دیا ہے مثلاً کسی کی نوکری کے پیسے میں اتنی گنجائش ہے کہ معمولی درمیانی کپڑے پہن سکتا ہے۔ مگر بیش قیمت زرق برق کپڑے بنانیکی گنجائش نہیں اس صورت میں عقلمند آدمی کبھی بھی ایسے گراں قدر کپڑوں کی ضرورت تسلیم نہیں کرسکتا کہ جس ضرورت کیواسطے رشوت وغیرہ لینا پڑے اور اگر اس پر بھی کچھ تنگی ہو تو آخر صبر کی تعلیم اسی حالت کیلئے ہے اور جو مرتبہ صبر سے گزر جائے تو ایسے لوگوں کی امداد کیواسطے شریعت نے خاص قواعد مقرر کئے ہیں اُن سے منتفع ہونا چاہئے۔ غرض مسلمان کو مسلمان ہونے کی حیثیت سے کسی حالت میں بھی دنیا کو دین پر ترجیح دینا جائز نہیں۔ پس اس اعتبار سے مسلمان دنیادار ہو ہی نہیں سکتا۔ صرف کفار ہی اہل دنیا ہیں جو دین کے مقابلہ میں دنیا کو ترجیح دیتے ہیں اور اس شعر کا مطلب اس تقریر پر بالکل صاف ہوگیا ؎

اہل دنیا کافران مطلق اند　　روز و شب در زق زق و در لق لق اند

(دنیا میں پھنسے ہوئے (خدا سے غافل) لوگ وہی ہیں جو کافر ہیں کہ دن رات فضولیات میں پڑے ہیں زق زق کرتے ہیں حق حق نہیں کرتے)

یعنی پہلے مصرع میں مبتدا مؤخر اور خبر مقدم ہے۔ یعنی جو محض کافران مطلق ہیں صرف وہی اہل دنیا ہیں مسلمان کی تو شان ہی اور ہے اللہ ولی الذین آمنوا۔ اس میں عام مومنین کیلئے درجہ ولایت ثابت کیا گیا ہے

گو وہ ولایت عامہ ہی ہو کیونکہ خاصہ میں اتنا اور زیادہ ہے الذین اٰمنوا وکانوا یتقون (وہ جو ایمان لائے اور (گناہوں سے) بچتے رہتے تھے) اور اگر دنیا داری کے معنی عام لئے جائیں کہ طلب المال ولو علی وجہ الحلال (مال کا حلال ذریعہ سے تلاش کرنا) تو یہ منافی دین کے نہیں۔ تاکہ ایسا شخص مخاطب احکام دینیہ کا نہو کیونکہ خود حضرات انبیاء علیہم السلام سے کاروبار دنیوی اکل و شرب و نکاح و صنعت وغیرہ سبھی کچھ ثابت ہے غرض دنیوی کاروبار دین کے منافی نہیں۔ بشرطیکہ وہ شریعت کے دائرے میں ہوں۔ اللہ جل جلالہ کی رحمت تو یہانتک وسیع ہے کہ باوجود ظلم اور گناہ کے بھی ولایت عامہ اور اصطفائے عام سے مومنین کو محروم نہیں کیا فرماتے ہیں کہ ثم اورثنا الکتاب الذین اصطفینا من عبادنا فمنہم ظالم لنفسہ ومنہم مقتصد ومنہم سابق بالخیرات باذن اللہ (پھر ہم نے اس کتاب قرآن کا وارث اپنے چنے ہوئے اچھے بندوں کو بنا دیا۔ ہاں اب انمیں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو گناہ کر کر کے آفت مول لے رہے ہیں اور کچھ ان میں بیچ کی راس کے ہیں (کہ کبھی گناہ ہو گیا پھر توبہ بھی کر لی) اور کچھ تو انمیں سے ایسے ہیں جو اللہ کے فضل سے مالا مال ہو کر نیکیوں میں بہت آگے بڑھے ہوئے ہیں)، ظاہر ہے کہ منہم ظالم لنفسہ ومنہم مقتصد ومنہم سابق بالخیرات تو الذین اصطفینا ہی کی قسمیں ہیں۔ اور مقسم کا صدق ہر قسم پر واجب ہے۔ پس اصطفا ظالم لنفسہ کو بھی شامل ہوا۔ بھلا جب گناہ کے ساتھ بھی ولایت عامہ اور اصطفا باقی رہتا ہے تو ضروری اشتغال دنیا کیسے منافی دین ہو سکتا ہے تعجب ہے کہ اپنے منہ سے اس ذلت و بے حمیتی کا اقرار کیا جاتا ہے گویا خدا تعالیٰ نے انکو دین کے واسطے پیدا ہی نہیں کیا اور غضب تو یہ ہے کہ ان بھلے مانسوں نے اپنے لئے تو ایسے ناجائز لقب تراشے ہی تھے اہل دین کیلئے بھی ایسے القاب نازیبا کا بے حجابا استعمال کرتے ہیں جیسے مسجد کے مینڈھے۔ اس پر بطور جملہ معترضہ ایک ہنسی کی حکایت یاد آ گئی ایک طالب علم کو کسی متکبر نے کہدیا مسجد کا مینڈھا اس نے کہا بلا سے پھر بھی دنیا کے کتوں سے تو اچھے ہی ہیں۔ اور اس جواب میں لطیفہ یہ ہے کہ اہل دین کیلئے جو وہ لقب اختیار کرتے ہیں وہ تو ایک دعویٰ ہے جو دلیل کا محتاج ہے۔ مگر دنیا کا کتا تو اقراری لقب ہے اور المرء یوخذ باقرارہ بالجملہ ایسے القاب اپنے لئے یا غیر کیلئے تراشنا ممنوع ہے ولا تنابزوا بالالقاب بئس الاثم الفسوق بعد الایمان (ایک دوسرے کے نام مت بگاڑا کرو۔ ایمان لانیکے بعد برا نام لگنا بڑی بری بات ہے) حدیث شریف میں ہے لیس لنا مثل السوء۔ عجب ہے کہ بعض لوگ ایسے واہیات القاب کو انکسار اور تواضع سمجھتے ہیں اس کی مثال میں ایک قصہ یاد آ گیا کہ میرے سامنے ریل میں ایک دولتمند مسخرے نے اپنے کھانے کو گوہ موت کہکر ایک شخص کو مدعو کیا تھا اور ان ہی کے ایک جلیس نے ان کو کہا کہ ہاں کھانے کی ایسی بے ادبی تو بھوں نے تواضع کی توجیہ کی تھی۔ سو ایسی تواضع حماقت ہے۔ اور راز اس میں یہ ہے کہ کوئی چیز حتی کہ اپنا

ہمارے سامنے کی بڑی مثال نہیں

نفس بھی ہماری ملک حقیقی نہیں کہ جسطرح چاہیں اسمیں تصرف کریں بلکہ یہ ہم سب سرکاری چپراسی ہیں سرکاری حد سے زیادہ اس سے کام لینا یا سرکاری اصول کے خلاف اسکی بیقدری کرنا جائز نہیں۔ اہل اللہ اسی بنا پر کبھی اپنے نفس کی بھی قدر کرنے لگتے ہیں اور عام لوگ کچھ اور سمجھ جاتے ہیں۔ سچ کہا ہے ؎

در نیابد حال پختہ ہیچ خام — پس سخن کوتاہ باید والسلام

(پختہ کار لوگوں کا حال کوئی کچا آدمی سمجھ نہیں سکتا اسلئے بات ختم ہی کر دینا مناسب ہے)

سو وہ حضرات اس حیثیت سے اپنے نفس کی قدر کرتے ہیں کہ وہ اُس نفس کو سرکاری چیز سمجھتے ہیں اور اسی طرح ہاتھ پاؤں دماغ۔ یہ سب سرکاری مشینیں ہیں جن کو ہمارے سپرد کیا گیا ہے۔ اگر ہم اپنی بے اعتدالی سے انکو بگاڑیں گے تو خود مورد عتاب مستوجب عذاب بنیں گے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا صاف ارشاد ہے کہ ان لنفسک علیک حقا وان لزوجک علیک حقا وان لعینیک علیک حقا تم پر تمھاری جان کا بھی حق ہے تمھاری بی بی کا بھی حق ہے اور تمھاری آنکھ کا بھی حق ہے) اگر اپنے دل و دماغ آنکھ کی حفاظت اور خدمت اس نیت سے کرینگے کہ یہ ہمارے مولیٰ کی سپرد کی ہوئی چیزیں ہیں انکی عزت و حرمت خدمت و حفاظت ہم پر بوجہ عبد و خادم ہونے کے ضروری ہے تو اس میں بھی ثواب ملیگا۔ یہی معنی ہیں انما الاعمال بالنیات کے اور اس مرتبہ میں کہ ان اعضاء کو محبوب سے تعلق ہے۔ کسی نے کہا ہے ؎

نازم بچشم خود کہ جمال تو دیدہ است — افتم بپائے خود کہ بکویت رسیدہ است

(اپنی آنکھوں پر مجھے ناز ہے کہ اس نے تمھارا جمال دیکھا ہے میں اپنے قدموں کے پاؤں پڑتا ہوں جو تمھاری گلیوں میں پہنچ گیا ہے)

ہردم ہزار بوسہ زنم دست خویش را — کو دامنت گرفتہ بسویم کشیدہ است

(میں اپنے ہاتھوں کو ہزار بار چومتا ہوں جس تیرا دامن پکڑ کر تجھے میری طرف گھسیٹ لیا ہے)

اور بعض کے کلام سے جو ان اشیاء کا اپنی طرف منسوب ہونا اور اس نسبت کے درجہ میں ایسے اقوال صادر ہونا معلوم ہوتا ہے جیسے کہا گیا ہے ؎

بخدا کہ رشکم آید ز دو چشم روشن خود — کہ نظر دریغ باشد بچنیں لطیف روئے

(بخدا مجھے اپنی آنکھوں پر رشک ہے ایسے حسین چہرے کو دیکھتے جھجکتا ہوں)

تو یہ غلبہ ہے حال کا ورنہ اہل مقام کی تحقیق وہی ہے۔ حضرت جنید بغدادیؒ سے کسی نے کہا کہ جب آپ کو دولت وصول میسر ہو چکی تو اب کیوں تسبیح رکھتے ہیں۔ آپ نے کیا لطیف جواب دیا کہ میاں جس کی بدولت ہم کو یہ دولت ملی کیا اب اُس رفیق کو چھوڑ دیں۔ ہرگز نہیں۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو شخص اللہ کے راستے میں جہاد کیلئے گھوڑا پالتا ہے اُس گھوڑے کا بول و براز بھی ضائع نہیں جاتا بلکہ میزان اعمال

لید پیشاب

میں اسکے اندازے کے موافق اعمال رکھے جائیں گے اور اُن پر ثواب ملیگا۔ یہ سب برکت نسبت الی اللہ کی ہے اور ایسی خسیس اشیاء کے حسنات میں شمار ہونیکی ایسی مثال ہے جیسے کوئی شخص مصری خریدے تو جو تنکا مصری میں ہوگا (معمولی) وہ بھی مصری کے بھاؤ ملیگا اور دعا کے اول و آخر درود شریف پڑھنے کی بھی یہی حکمت ہو کہ درود شریف کو تو اللہ تعالیٰ ضرور ہی قبول کرینگے اور یہ ان کے کرم سے بعید ہے کہ اول و آخر کو تو قبول کرلیں اور بیچ والی لپٹی ہوئی چیز کو رد کردیں۔ اور درود شریف ضرور قبول ہوتا ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے خاص اور مقبول و محبوب ہیں وہ آپ پر بے کسی کی درخواست کے بھی رحمت فرماتے ہیں۔ سو جب کسی نے آپ پر رحمت کرنیکی درخواست کی تو یہ گویا اُس شخص کی خیرخواہی ظاہر ہوئی جس سے یہ بھی مقبول ہوگیا۔ اسکی ایسی مثال ہے کہ جیسے کوئی شخص ہر عید پر اپنے لڑکے کو کچھ انعام دیا کرتا ہے تو وہ تو دے ہی گا۔ اگر کسی شخص نے اُسکو انعام دینے کی نسبت کہہ بھی دیا تو وہ شخص اُس کہنے کی وجہ سے اس کہنے والے پر بھی مہربان ہوجائیگا اور یہ سمجھے گا کہ اسکو ہمارے لڑکے سے محبت ہے۔ اس لئے درود شریف ضرور قبول ہوتا ہو اور طفیل میں یہ شخص بھی جب درود شریف قبول ہوگا تو دعا اُسکے ساتھ وہ بھی ضرور قبول ہوگی اسکی ایسی ہی مثال ہے جیسے کھانڈ کے چنے کا اندر چنا ہوتا ہے اور اوپر کھانڈ لپٹی ہوئی ہوتی ہے۔ اُس مٹھائی کے سبب وہ چنے بھی مٹھائی کے حساب میں بکتے ہیں کیونکہ اُن پر کھانڈ لپٹی ہوئی ہوتی ہے اسواسطے وہ اسی کے حکم میں ہوگئی۔ اسیطرح وہ دُعا بھی گویا درود شریف کے حکم میں ہوگئی۔ یا جیسے پتے مٹھائی کے ساتھ جاتے ہیں اور پھر انکو کوئی واپس نہیں کرتا اور یہی راز اور حکمت ہو نماز میں جماعت کی کیونکہ ع بداں را بہ نیکاں بہ بخشد کریم۔ (اللہ تعالیٰ نیکوں کے طفیل میں بدکاروں کو بھی بخشدیتا ہے) جماعت میں نیک بھی ہوتے ہیں انکی نماز غالباً قبول ہوگی اور بُروں کی نماز بھی چونکہ نیکوں کے ساتھ ہیں اسواسطے وہ بھی قبول ہوجائیگی۔ اسکی ایک فقہی نظیر ہے وہ یہ کہ اگر متعدد اشیاء ایک سودے سے خریدی جائیں تو یا سب واپس کیجاتی ہیں یا سب رکھی جاتی ہیں اور جو ہر ایک کا الگ الگ سودا ہوتا ہو تو معیب (عیب دار) کو واپس کرسکتے ہیں پس اللہ تعالیٰ بھی بندوں سے یہی معاملہ کرتے ہیں۔ اسلئے جماعت مشروع فرمائی۔ کیونکہ یہ تو مستبعد ہو کہ سب کی نمازیں واپس فرمائیں تو سب ہی کو قبول فرمالیں گے۔ البتہ اس میں ایک یہ شبہ رہ گیا کہ جماعت تو صرف فرضوں کیساتھ مخصوص ہے وہ تو اس جماعت کے ذریعہ قبول ہوگئی مگر سنت باقی رہگئیں اسکا جواب یہ ہے کہ تابع ہمیشہ اپنے متبوع کے حکم میں ہوا کرتا ہے سنتیں تابع ہیں فرضوں کی وہ بھی فرضوں کیساتھ قبول ہوجائیں گی۔ جیسے کہ کوئی شخص گائے بھینس خریدے تو اس کے رسّے وغیرہ بھی گو وہ کیسے ہی بوسیدہ ہوں لے لیتا ہے۔ غرض انضمام واقتران (باہم ملنے) کے یہ فوائد ہیں۔ اسیطرح اگر کوئی شخص اعمال دنیویہ میں بھی

نیت خیر رکھے گا تو اُسکو ضرور ثواب ملیگا۔ایک بزرگ کی حکایت ہے کہ کسی اپنے مرید کے گھر گئے۔ وہاں اُنکے گھر روشندان دیکھا پوچھا یہ کیوں رکھا ہے اُس نے جواب دیا روشنی کیواسطے اُنھوں نے فرمایا کہ روشنی تو بدون نیت روشنی کے بھی آتی اگر اس کے رکھنے میں تو یہ نیت کرلیتا کہ اس میں سے اذان کی آواز آیا کرے گی تو تجھے اسکا ثواب بھی ملتا رہتا اور روشنی تو خود آہی جاتی۔مطلب یہ ہے کہ نیت صالحہ رکھنے سے سب اعمال دنیوی بھی قابل ثواب بنجاتے ہیں۔پس ایسی دنیا منافی دین نہیں۔پس ایسا دنیا دار بھی دیندار ہی ہے اور پہلے معنی کر دنیا دار کوئی مسلمان نہیں تو سب مسلمان دیندار ہی ہوئے اور دو قسمیں بنکر کوئی فرق نہیں ہوا۔یہ دیندار دنیا دار کا فرق بوجہ جہل بالاحکام کے ہم نے تراش لیا ہے اور جب فرق نہوا تو کیا وجہ ہے کہ دستور العمل الگ الگ رکھا جائے۔یہ بات جدا رہی کہ حالت عذر و ضرورت میں کسی کیلئے کچھ تخفیف کردیجائے سو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ دستور العمل ہر ایک کے واسطے الگ الگ تجویز کیا جائے دستور العمل تو ایک ہی رہیگا مواقع ضرورت اس سے مستثنیٰ سمجھے جائیں گے۔بس یہ تو طے ہوچکا کہ دستور العمل سب کا ایک ہے مگر عوام کا ایک شبہ اور وسوسہ اور رہ گیا کہ شاید اس دستور العمل کا نفع مشروط ہو فہم کیساتھ اور وہ مخصوص ہے خواص کے ساتھ تو ہم کو اُسپر چلنے سے کچھ نفع نہوگا سو یہ خیال اور عذر بھی درست نہیں کیونکہ نفع ان اعمال کا علی حسب استعداد سب کو ہوتا ہے۔جیسے متنجن کھانے سے اس شخص کو لذت ہوگی جو اُسکی حقیقت اور اجزا سے واقف اور ماہر ہے ایسے ہی وہ شخص بھی متلذذ ہوگا جو متنجن کی حقیقت سے بالکل واقف نہو اور اسیطرح اُسکا نفع قوت وغیرہ بھی جسطرح اس پہلے شخص کو ہوا ہے اسی طرح اسکو بھی حاصل ہوگا۔ایسا ہی خیال کرنا چاہئے کہ اعمال حسنہ کے نفس منافع اور برکات سب کیلئے عام ہیں۔ع ادیم زمیں سفرۂ عام اوست۔ (زمین خدا کا ایک دسترخوان ہے جو سب کیلئے بچھا اور کھلا ہے) البتہ خواص کیلئے بوجہ زیادہ فہم کے ایک خاص زائد لذت ہوگی اور آخرت میں بھی اُسکا ثواب اصل عمل کے ثواب پر زائد ملیگا مگر اصل مقصود میں عوام و خواص سب شریک ہیں اب وہ دستور العمل بیان کیا جاتا ہے اتفاق سے وہ ضروری ہدایات جو اس مبحث کے مناسب ہیں ان آیات میں پورے طور پر جمع ہیں۔ارشاد ہوتا ہے یاایھا المزمل قم الیل الا قلیلا نصفہ او انقص منہ قلیلا او زد علیہ۔ الآیۃ۔ہرچند کہ یہ خطاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے مگر حکم اسکا اُمت کو بھی شامل ہے اور مزمل کے معنی ہیں چادر اوڑھنے والا۔چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار کی تکذیب سے بہت تکلیف ہوئی تھی۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو چاہتے تھے کہ یہ کمبخت ایمان لے آئیں تاکہ نار جہنم سے چھوٹ جائیں اور وہ لوگ ایمان تو کیا لاتے اُلٹی تکذیب پر کمر باندھ رکھی تھی اور آیات الٰہی سے تمسخر اور مقابلہ کیا کرتے اس وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بوجہ شدت غم و رنج و حزن و ملال کے چادر اوڑھ کر بیٹھ گئے تھے اسلئے

خاص اِس حالت کے اعتبار سے یا ایھا المزمل ندا و خطاب میں فرمایا گیا تاکہ آنحضرت کو ایک گونہ تسلی ہو اس کی ایسی مثال ہو کہ جیسے کوئی شخص ہجوم اعدا اور اُن کے طعن و تشنیع سے پریشان ہو رہا ہو اُس وقت اُسکا محبوب خاص اُسی حالت کے عنوان سے اُسکو پکارے جسکے ساتھ اسکا تلبس ہو تو دیکھئے اُس شخص کو کتنی تسلی ہو گی اور اس لفظ کی لذت اسکو کتنی معلوم ہو گی جسکی ایک وجہ یہ خیال بھی ہوتا ہو کہ محبوب کو میرے حال پر نظر ہے ایسا ہی یہاں بھی یا ایھا المزمل کے عنوان سے جو کہ مناسب وقت سے ہو ندا دیکر آنحضرت کو تسکین دی گئی ہو اور بعد اُسکے بعض اعمال کا حکم دیا جاتا ہو اور ان بعض عارضی احوال پر صبر کرنے کا ارشاد فرماتے ہیں۔ چنانچہ ایک دوسرے مقام پر بھی اسیطرح ارشاد فرمایا ہے کہ فاصبر علی ما یقولون وسبح بحمد ربک۔ اسکی ایسی مثال ہو کہ جیسے اوپر کی مثال میں اُس شخص کا محبوب اُس کو یہ کہے کہ میاں تم ہم سے باتیں کرو۔ ہم کو دیکھو۔ دشمنوں کو بکنے دو جو بکتے ہیں۔ آؤ تم ہم سے باتیں کرو۔ یہ کام کرو وہ کام کرو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تو ایسا تسلیہ بذریعہ وحی کے ہوا مگر اُمت میں اہل اللہ کو اس قسم کے خطابات وغیرہ بذریعہ الہام اور واردات کے ہوتے ہیں اور اس مقام پر لفظ مزمل کی تفسیر سے ایک مسئلہ نکلتا ہو وہ یہ کہ سابقا معلوم ہو چکا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر اوڑھنے کی وجہ شدت ملال و حزن تھی اس سے ثابت ہوا کہ کامل باوجود کمال کے لوازم بشریت سے نہیں نکلتا جیسا یہاں پر بوجہ تکذیب مخالفین کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مغموم ہونا معلوم ہوتا ہے ہاں اتنا فرق ہے کہ ہم لوگوں کا غم ایسے مواقع پر بوجہ تنگ دلی و ضعف تحمل کے ہوتا ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غم بوجہ غایت شفقت اور رحم کے تھا آپ اُس پر مغموم تھے کہ اگر یہ لوگ ایمان نہ لائیں گے تو جہنم میں جائیں گے اسوجہ سے اُن پر رحم آتا تھا اور غم پیدا ہوتا تھا چنانچہ ارشاد ہو لعلک باخع نفسک

کار پاکاں را قیاس از خود مگیر ۔ گرچہ ماند در نوشتن شیر و شیر

(پاکوں کو اپنا جیسا مت سمجھو۔ لکھنے میں شیر اور شیر یکساں سہی مگر ایک ہے دودھ ایک ہے شیر)

مگر یہ تو ثابت ہوا کہ کامل باوجود کمال عرفان کے لوازم طبعی سے نہیں نکلتا اور یہی ہونا بھی چاہئے کیونکہ اگر کسی کو اذیت و مصیبت میں تکلیف جو لازمہ طبعی ہے محسوس نہ ہو تو صبر کیسے متحقق ہو گا کیونکہ صبر تو نام ہو ناگوار چیز پر ضبط نفس کرنے کا اور جب کسی کو کوئی چیز ناگوار ہی نہ معلوم ہو تو ضبط کیا کریگا البتہ غلبۂ حال میں محسوس نہ ہونا اور بات ہو لیکن غلبۂ حال خود کوئی کمال کی چیز نہیں۔ ایک بزرگ کی حکایت ہو کہ بیٹے کے مرنے کی خبر سنی تو قہقہہ لگا کر ہنسے اور ادھر آنحضرت کا اپنے بیٹے ابراہیم پر آنسو بہانا ثابت ہو اور یہ فرمانا کہ انا بفراقک یا ابراھیم لمحزونون (اے ابراہیم تمھاری جدائی سے ہمیں بڑا رنج ہے) اب اگر کسی

ظاہر بین شخص کے سامنے یہ دونوں قصے بیان کر دیئے جائیں اور یہ ظاہر نہ کیا جائے کہ یہ قصہ کس کا ہے اور وہ کس کا تو ظاہر بات ہے کہ یہ شخص پہلے بزرگ کو جنھوں نے قہقہہ لگایا زیادہ کمال سمجھے گا حالانکہ یہ مسئلہ مسلم و بدیہی ہے کہ ولی کسی حال میں نبی سے نہیں بڑھ سکتا اور یہ بھی مسلم ہے کہ اولیا کے کمالات انبیا کے کمالات سے مستفاد ہیں سو در اصل ان دونوں قصوں کی حقیقت یہ ہے کہ اس ولی کی نظر صرف حقوق حق پر تھی حقوق عباد۔ اولاد کی اہمیت اسکے قلب سے مستور تھی۔ اس واسطے حقوق عباد کا اثر ظاہر نہیں ہوا جو ترحم کی وجہ سے غم پیدا ہوتا اور آنحضرت ؐ کی نظر دونوں حقوق پر تھی حقوق حق پر بھی اور حقوق عباد پر بھی اللہ تعالیٰ کے حقوق کی رعایت سے تو صبر کیا اور جزع و فزع نہیں کیا اور حقوق عباد یعنی ترحم علی الاولاد کی وجہ سے آنسو جاری ہوئے سخت دلی نہیں کی۔ انما یرحم اللہ من عبادہ الرحماء (اللہ اپنے بندوں میں سے رحم کرنیوالوں پر ہی رحم کرتا ہے) اسکی ایک مثال ہے مثلاً آئینہ کے دیکھنے والے تین قسم کے ہوتے ہیں ایک تو وہ جو ضرورت سے خریداری وغیرہ کے صرف آئینے کو دیکھتے ہیں اسکی موٹائی چوڑائی شفافیت پر اُن کی نظر ہوتی ہے۔ یہ مثال ہے محجوبین غافلین اہل صورت کی اور ایک وہ کہ صرف اُس چیز کو دیکھتے ہیں جو کہ آئینہ میں منعکس ہوتی ہے اور آئینہ کو نہیں دیکھتے یہ مثال ہے غیر کاملین مغلوب الحال لوگوں کی یہ غلبۂ حال سے مظہر کو نہیں دیکھتے صرف ظاہر کو دیکھتے ہیں اور وہ جو آئینہ اور صورت منعکسہ دونوں کو دیکھتے ہیں اور دونوں کے حقوق کی رعایت کرتے ہیں اس کو جمع الجمع کہتے ہیں۔ یہ شان ہے انبیا علیہم السلام اور عارفین کاملین کی کہ حقوق حق کی رعایت کے ساتھ حقوق عباد کی رعایت بھی اُن کے نصب العین رہتی ہے۔ یہ لوگ جامع ہیں ؎

بر کفے جام شریعت در کفے سندان عشق　　　ہر ہوسناکے نداند جام و سنداں باختن

(ایک ہاتھ پر شریعت کا نازک پیالہ اور ایک ہاتھ میں محبت کا ہتھوڑا۔ ان دونوں کو لڑانا اور ٹکرانا ہوس کے بندوں کا کام نہیں)

ایسی باریکیوں کو سمجھنے کیلئے بڑی فہم کی ضرورت ہے ورنہ ظاہر بین تو ناگوار نہ گذرنا زیادہ کمال معلوم ہوتا ہے بہ نسبت ناگوار گذرنے کے۔ اسی طرح دوسری کیفیات وجدانیہ کے تفاضل میں اسی قسم کی غلطی واقع ہوتی ہے کہ بعض باتیں کمال سمجھی جاتی ہیں حالانکہ اُن میں کوئی نقص مخفی ہوتا ہے جیسے مبالغہ فی التواضع کہ بعض دفعہ مفضی ہو جاتا ہے ناشکری کیطرف کیونکہ اس میں ایہام ہوتا ہے انکار نعمت کا۔ ایسا ہی بعض آدمی کہہ دیتے ہیں کہ ہم نے ذکر شغل کیا مگر کچھ نہیں ہوا اور سمجھتے ہیں کہ یہ کتنا انکسار ہے حالانکہ علاوہ ناشکری نعمت ذکر کے اس میں ایک نقصان یہ بھی ہے کہ معلوم ہوتا ہے اُنھوں نے اپنے ذکر و شغل کو اس قابل سمجھا کہ اسکو قبول کیا جائے اور اسکے صلہ میں اُن کو بڑا رتبہ دیا جائے اور یہ کبر ہے۔ یہ نفس کے بڑے بڑے مکر ہیں

اُن لوگوں کو یہ خبر نہیں کہ ذکر خود ایک مستقل نعمت ہے ہمارے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ سے اگر کوئی خادم اس قسم کی شکایت کرتا تو فرماتے کہ خود ذکر کی توفیق ہونا کیا تھوڑی نعمت ہے جو دوسرے ثمرات کی تمنا کرتے ہو اور اکثر ایسے موقع پر یہ شعر پڑھا کرتے تھے ؎

یابم اورا یا نیابم جستجوے می کنم　　حاصل آید یا نہ آید آرزوئے می کنم

(میں اُسے پاؤں یا نہ پاؤں تلاش تو کئے ہی جاؤنگا۔ وہ ملے نہ ملے میں تمنا کرتا ہی رہونگا)

ع بلا بودے اگر ایں ہم نبودے (اتنا بھی نہوتا تو آفت ہی تھی) کسی خادم نے حضرت سے بیان کیا تھا کہ میں نے اب کی چلّہ کھینچا اور روزانہ سوا لاکھ اسم ذات پڑھا مگر کچھ فائدہ نہ ہوا شاید حضرت مجھ سے ناراض ہیں کہ ثمرہ نہیں ملا۔ فرمایا اگر میں ناراض ہوتا تو تمھیں سوا لاکھ پڑھنے کی توفیق ہی کہاں ہوتی۔ اور یہ ثمرات کے طالب ایک اور بہت بڑی غلطی میں ہیں کیونکہ وہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ یہ ثمرات اصل مقصود ہیں اور اعمال مقصود بالعرض اور یہ سخت غلطیاں ہیں۔ اعمال خود مقصود بالذات ہیںؔ اور اصل ثمرہ انکا حصول رضا دخول جنت دیدار خداوندی ہے افسوس ہے کہ طالب ثمرات عشق میں مجنوں سے بھی کم ہیں وہ تو لیلیٰ کے نام کی مشق کو بڑا مقصود سمجھ رہا ہے مگر یہ لوگ دوسری چیزوں کی تلاش میں ہیں کیا مولیٰ کا عشق لیلیٰ کے عشق سے بھی کم ہے ؎

دید مجنون را یکے صحرا نورد　　در بیابان غمش بنشستہ فرد

ریگ کاغذ بود وانگشتاں قلم　　می نمودے بہر کس نامہ رقم

گفت اے مجنونِ شیدا چیست ایں　　می نویسی نامہ بہر کیست ایں

گفت مشق نام لیلےٰ می کنم　　خاطر خود را تسلی میدہم

(مجنوں کو کسی مسافر نے دیکھا کہ اپنے غم کے جنگل میں اکیلا بیٹھا ہے۔ ریت کو کاغذ اور انگلیوں کو قلم مان کر کسی کو خط لکھ رہا ہے پوچھا کہ اے پاگل دیوانے یہ کیا ہے یہ کسے خط لکھ رہا ہے بولا میں لیلیٰ کے نام کی مشق کر رہا ہوں اور اسطرح اپنے دل کو بہلا رہا ہوں)

ہمینم بس کہ داند ماہ رویم　　کہ من نیز از خریداران اویم

(مجھے اتنا ہی کافی ہے کہ میرے محبوب کو یہ معلوم ہو جائے کہ میں بھی اسکے خریداروں میں ہوں)

کبھی ثمرات کا قصد مت کرو یہ تو ایک قسم کی مزدوری ہوئی جو کہ عشق و محبت کے سراسر خلاف ہے ؎

تو بندگی چو گدایاں بشرط مزد مکن　　کہ خواجہ خود روش بندہ پروری داند

(تو بھک منگوں کی طرح مزدوری کی لالچ میں غلامی مت کر۔ مالک کو غلاموں کی پرورش کے سب ڈھنگ آتے ہیں)

ایک عارف کو غیب سے آواز آئی کہ تمھاری عبادت قبول نہیں ہوئی اُنھوں نے اُس پر بھی عبادت کو نہ چھوڑا بلکہ بدستور اسی طور پر پھر بھی عبادت کرتے رہے کسی نے ان سے کہا کہ جب تمھاری عبادت قبول نہیں

عہ یعنی بہ نسبت ان ثمرات خاص مطلوب کے ۱۲

ہوتی پھر اُسکے کرنے کی کیا ضرورت ہے اُنھوں نے کیا اچھا جواب دیا کہ بھائی اگر اور کوئی دروازہ ہوتا تو اُسکو چھوڑ کر اُسطرف چلے جاتے جب دوسرا دروازہ ہی نہیں پھر اور کہاں جائیں اور کیا چارہ کریں ؂

توانی ازاں دل بپرداختن — کہ دانی کہ بے او تواں ساختن

(تم اسی کی محبت سے اپنا دل خالی کر سکتے ہو جبکہ یہ سمجھ لو کہ اسکے بغیر تمھیں چین بھی آسکے گا)

بس معًا غیب سے آواز آئی کہ جب ہمارے سوا تمھارا اور کوئی نہیں تو خیر جیسی کچھ ہو وہی قبول ہے ؂

قبول ست گرچہ ہنر نیستت — کہ جز ما پناہے دگر نیستت

(اگرچہ تم میں کوئی خوبی نہیں ہے مگر خیر ہم تمھیں اپنا مقبول بنا لیتے ہیں کیونکہ ہمارے سوا تمھارا کہیں ٹھکانا بھی نہیں ہے)

عبادت میں تو بجز رضائے خدا کے اور ثمرات کا طلب کرنا بھی اخلاص کے بالکل خلاف ہے وما امروا الا لیعبدوا اللہ مخلصین لہ الدین (انھیں تو بس اسکا حکم دیا گیا تھا کہ اللہ کی عبادت کریں اور اطاعت خالص اسی کی کریں)

از خدا غیر خدا را خواستن — ظن افزونیست کلی کاستن

(خدا سے غیر خدا کو مانگنا ایسا ہے جیسے ساری کے پیچھے آدھی کو بھی کھو بیٹھنا)

بدرد وصاف ترا حکم نیست دم درکش — کہ انچہ ساقی ما ریخت عین الطاف ست

(تمھیں حق نہیں کہ جب تمھیں شراب ملے تو اُسے گدلا کہکر ناپسند کرو یا صاف کہکر پسند کرو کیونکہ ہمارے ساقی نے جیسی شراب بھی پیالہ میں اُنڈیل دی ہو وہ سب اُسکی مہربانی ہے)

اور اوپر جو بیان ہوا ہے کہ کامل لوازم بشریہ سے نہیں نکلتا اس سے ایک بات یہ بھی ثابت ہوئی کہ طبیعت کا میلان انسانی خواہشوں کیطرف یہ ایک امر طبعی ہے سو طبیعت کا میلان اگر کسی معصیت کیطرف ہو یہ منافی کمال نہیں بعض لوگ یہ غلطی کرتے ہیں کہ میلان کو بھی مقبولیت وتقویٰ کے خلاف سمجھتے ہیں اور پھر جی میں کُڑھتے ہیں اور قلب کی ساری توجہ اسی فکر وغم میں مصروف کر دیتے ہیں مثلاً پہلے کبھی کسی کیساتھ تعشق تھا پھر اللہ تعالیٰ نے توفیق توبہ کی عطا فرمائی اور وہ تعلق نہ رہا اب اگر حصول کمال کے بعد کبھی طبیعت کی رغبت اس طرف معلوم ہونے لگی تو پریشان ہوتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ میلان بھی تقویٰ کے خلاف ہے خوب سمجھ لینا چاہئے کہ خود معصیت تو خلاف تقویٰ ہے میلان معصیت اسکے خلاف نہیں۔ میلان معصیت بعض اوقات بعد کمال کے بھی زائل نہیں ہوتا۔ اس کے زوال کی فکر فضول ہے۔ ہاں البتہ کاملین اور دوسرے میں یہ فرق ہے کہ کاملین کا میلان غیر ثابت اور مغلوب ہوتا ہی تھوڑے سے تذکر سے زائل ہو جاتا ہے جناب باری ارشاد فرماتے ہیں اذا مسھم طائف من الشیطان تذکروا فاذا ھم مبصرون (جب انھیں شیطان کا کوئی وسوسہ ستاتا ہے تو فوراً ہی (خدا کی یاد آجانے سے) انکی آنکھیں کھل سی جاتی ہیں)

اور اس سے پہلے وَاِمَّا یَنْزَغَنَّکَ مِنَ الشَّیْطَانِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰہِ (جب تمہیں شیطان کیطرف سے کوئی کشمکش ہونے لگے تو اللہ کی پناہ مانگا کرو) اور متوسطین اہل سلوک کا میلان ذرا شدید ہوتا ہے دل کو تنگی بہت پیش آتی ہے اور مجاہدہ سے مغلوب ہوتا ہے اور مجوبین کا میلان ادھر غالب ہوجاتا ہے اور حقیقت میں اگر میلان نہ رہے تو معاصی سے بچنا کوئی کمال ہی نہیں اور میلان میں مجاہدہ کرنا پڑتا ہے اور مجاہدہ سے ترقی ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ ملائکہ کو ان مدارج میں ترقی نہیں ہے کیونکہ ان میں مجاہدہ متصور نہیں اور بشر میں مجاہدہ بوجہ میلان اور رغبت معاصی کے متصور ہے اسلئے اُنکے مدارج میں بسبیل لا تقف عند حد ترقی ہوتی رہتی ہے حکیم ترمذی ایک بزرگ گذرے ہیں جوانی میں ایک عورت اُن پر عاشق ہوگئی تھی اور ہر وقت انکی تلاش وجستجو میں رہتی آخرکار ایک دن موقع پر ایک باغ میں انکو دیکھا اور وہ باغ چاروں طرف سے چاردیواری کی وجہ سے بند تھا وہاں پہونچ کر اُن سے اپنے مطلب کی درخواست کی۔ یہ گھبرائے اور گناہ سے بچنے کی غرض سے بھاگ کر دیوار سے کود پڑے اس قصہ کے بعد ایک روز بڑھاپے کے زمانے میں وسوسے کے طور پر یہ خیال آیا کہ اگر میں اس عورت کی دلشکنی نہ کرتا اور اسکا مطلب پورا کردیتا اور پیچھے توبہ کرلیتا تو یہ گناہ بھی معاف ہوجاتا اور اس کی دلشکنی بھی نہوتی اس وسوسہ کا آنا تھا کہ بہت پریشان ہوئے اور روئے ؎

بر دل سالک ہزاراں غم بود — گر خلالے از بہارش کم شود

(سالکین کے دل پر غم کا پہاڑ ٹوٹنے لگتا ہے اگر اُسکے بشاش دل کے پر بہار باغ میں سے ایک تنکا بھی کم ہوجائے)

اور اس پر قلق ہوا کہ جوانی میں تو میں اس گناہ سے اس کوشش سے بچا اور آج بڑھاپے میں یہ حال ہے اور یہ سمجھے کہ جو کچھ میں نے اعمال اشغال کئے ہیں وہ سب غارت اور اکارت گئے اس پر حکیم موصوف نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ فرماتے ہیں کہ اے حکیم کیوں غم کرتے ہو تمہارا درجہ وہی ہے اور جو کچھ تم نے کیا وہ ضائع نہیں ہوا اور اس وسوسہ کی یہ وجہ تھی کہ یہ زمانہ وسوسہ کا میرے زمانہ سے دور ہوگیا تھا اور اُس گناہ سے بچنے کی یہ وجہ ہے کہ وہ زمانہ میرے زمانہ سے قریب تھا اور قرب عہد نبوی میں برکت ہے۔ ایک بزرگ اسی وجہ سے باسی روٹی کو پسند فرمایا کرتے تھے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے قریب ہے اور تازی میں کسی قدر بُعد آگیا ہے سبحان اللہ جب قرب عہد نبوت میں یہ برکت ہے تو ارشادات نبوت پر عمل کرنے میں کیسی برکت ہوگی۔ ایک مولوی صاحب کہ طبیب بھی تھے مجھ سے اپنا قصہ فرماتے تھے کہ میں بیمار ہوا بخار تھا۔ ہرچند علاج کیا مگر کچھ فائدہ نہ ہوا آخرکار میں نے اس حدیث کے مطابق جس میں بخار کا علاج غسل سے آیا ہے نہر میں غسل کیا انکا بیان ہے کہ اُسکے بعد مجھے اور بیماریاں تو ہوئیں مگر بخار کبھی نہیں ہوا۔ ہرچند کہ بعض شُراح اس علاج غسل کو غیر مادی بخار کیساتھ مخصوص فرماتے

مگر اہل عقیدت کیلئے سب اقسام کو عام ہے۔ علاوہ ازیں یہ مسئلہ طبیہ ہے کہ دوا معین ہے فاعل نہیں سو اہل عقیدت کی طبیعت میں اس عمل سے قوت ہوگی اور وہ اپنی قوت سے فعل کرے گی۔ حکیم ترمذی کے اس قصہ سے معلوم ہوگیا کہ باوجود کمال کے اُنکو میلان معصیت کا ہوا اور اُن کے کمال کی تصدیق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رویائے صادقہ میں فرمائی اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بعض لوگ جو شیوخ سے یہ درخواست کرتے ہیں کہ کوئی ایسی چیز بتلا دیجئے کہ کبھی ہم میں بُرے کام کی رغبت ہی نہ پیدا ہو یہ بالکل غلط ہے اور منشا ر اسکا ناواقفی ہے انسان جبتک زندہ ہے لوازم بشریہ سے چھوٹ نہیں سکتا۔ کبھی نہ کبھی کچھ نہ کچھ وسوسہ یا خیال آہی جاتا ہے چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ اگر کسی عورت کے دیکھنے وغیرہ سے اُسکی طرف میلان یا وسوسہ معلوم ہو تو اپنے گھر میں بیوی سے رفع حاجت کرے کیونکہ انَّ الذی معھا مثلُ الذی معھا (کیونکہ اس عورت (بیوی) کے پاس بھی وہی ہے جو اُس اجنبیہ کے پاس ہے) اس علاج سے وہ طبیعت کا میلان دور ہو جائیگا اطبار نے بھی تعشق کا علاج تزوّج لکھا ہے۔ اگر خاص معشوقہ سے ہو تو بہت ہی بہتر ہے ورنہ غیر جگہ بھی نکاح کرنے سے (شادی) دوسرے کے تعشق میں کمی آجاتی ہے۔ باقی تھوڑا بہت میلان تو تمام عمر رہتا ہے اگر اسکے مقتضی پر عمل نہ ہو تو اُسکی فکر نہ کرنا چاہئے کیونکہ اسکی طرف توجہ کرنے سے اور اس فکر میں پڑنے سے وہ اور بڑھیگا اور تنگی پیش آئے گی اور سالک اس جھگڑے میں پڑ کر مطالعہ محبوب سے غافل ہو جائیگا۔ اور انسان صرف مطالعہ محبوب ہی کیلئے پیدا ہوا ہے اس کو دوسری جانب توجہ ہی نکرنی چاہئے اگر ان باتوں کی طرف طبیعت کو نہ لگایا جائیگا یہ آپ سے آپ دور ہو جائینگی۔ بالخصوص وسوسہ کا تو علاج یہی ہے کہ اُسکی طرف خیال ہی نکرے اور اپنی توجہ ذکر کی طرف رکھے اس سے وہ وسوسہ خود بخود جاتا رہتا ہے اور یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ وسوسہ کا آنا کوئی نقصان کی بات نہیں ہے اسکی وجہ سے جو تنگی پیدا ہوتی ہے وہ موجب تصفیہ قلب ہو جاتی ہے اور اسکے دور کرنے میں جو مجاہدہ ہوتا ہے اُس سے رفع درجات ہوتا ہے اور جو بیان کیا گیا کہ ایسی چھوٹی چھوٹی باتوں پر اپنے اوپر بدگمانی نہ کرے اور ان باتوں کی طرف زیادہ التفات نہ کرے اور زیادہ موشگافی اور باریک بینی سے کرید کرید کر عیوب کو نہ دیکھے۔ یہ خواص اہل طریق کیواسطے ہے کیونکہ وہ اسطرف لگ کر مطالعۂ محبوب سے غافل ہو جائیں گے باقی عوام کو بیفکر ہونا نہ چاہئے کیونکہ اگر وہ اپنے عیوب کی نگہداشت اس مستعدی سے نکرینگے تو اور بڑے بڑے گناہوں میں گرفتار ہو جائیں گے۔ اب ندائے یا ایھا المزمل کے بعد احکام کا بیان شروع ہوتا ہے حاصل احکام کا یہ ہے کہ تعلق دو طرح کے ہیں ایک خالق کے ساتھ دوسرا مخلوق کے ساتھ تعلق قسم دوم کا ہے موافق کیساتھ اور مخالف کیساتھ۔ ان ہی تعلقات کے کچھ اعمال و آداب میں چند امر بیان ہوتے ہیں اوّل تعلق خالق کیساتھ ہے۔ اسکے متعلق ارشاد ہوتا ہے قم الیل الا قلیلا اس میں ایک تو قیام وطاعت کا

ادب تعلیم کیا ہے اور اسکے ساتھ اقتصاد (میانہ روی) کا اشارہ فرمایا ہے۔ ادب یہ کہ قیام لیل کیلئے وہ وقت مقرر فرمایا گیا جو کہ نہ بھوک کی تکلیف کا وقت ہے اور نہ معدہ کی پُری کا وقت ہے کہ طبیعت میں گرانی اور بوجھ ہو اور قیام میں کدورت ہو بلکہ ایسا وقت دونوں تکلیفوں سے خالی ہے اور طبیعت میں نشاط اور سرور ہوتا ہے اور اس میں تشبہ بالملائکہ بھی ہوتا ہے کیونکہ انکی یہی شان ہے کہ نہ بھوک لگے نہ کھانے سے گرانبار ہوں۔ اور نیز رات کے وقت یکسوئی بھی ہوتی ہے اور اقتصاد یہ کہ ساری رات کا حکم نہیں دیا۔ کیونکہ اس میں تعب تھا بلکہ کچھ حصہ سونے کیلئے بھی رکھا گیا اور چونکہ ہر وقت اور ہر حالت اور ہر شخص کے لئے ایک مقدار معین نہیں ہو سکتی اسلئے او تخییریہ سے نصف اور ثلث اور دو ثلث میں (جو مفہوم ہے انقص منہ قلیلا او زد علیہ کا یا جیسا دوسرے رکوع سے معلوم ہوتا ہے) اختیار دیکر مخاطب کی رائے پر چھوڑا گیا کہ اگر زیادہ قیام نہ ہو سکے تو تھوڑا ہی سہی۔ حدیث میں ہے فَشَیءٌ مِنَ اللَّیلَۃِ (کچھ حصہ آخری شب کہ) اس اقتصاد میں ایک یہ بھی مصلحت اور حکمت ہے کہ توسط میں دوام ہو سکتا ہے اور افراط میں دوام نہیں رہ سکتا۔ اور پہلے یہ قیام لیل کہ مراد تہجد ہے فرض تھا۔ بعد اسکے فرضیت منسوخ ہو کر مسنونیت باقی رہ گئی اور اقرب الی الدلیل تہجد کا سنت موکدہ ہونا ہے۔ تہجد سے محروم رہنے والوں کو اکثر غلطیاں ہو رہی ہیں بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ تہجد صرف اخیر ہی شب میں ہوتا ہے اور اس وقت اٹھنا دشوار ہے۔ اسلئے انھوں نے چھوڑ رکھا ہے۔ یاد رکھو کہ اگر اخیر شب میں نہ اٹھ سکے تو اول شب میں بھی وتر سے پہلے تہجد پڑھنا جائز ہے بعضے یہ سمجھتے ہیں کہ تہجد کے بعد سونا نہ چاہئے اور سونے سے تہجد جاتا رہتا ہے۔ یہ لوگ اسلئے نہیں اٹھتے یہ بھی غلطی ہے تہجد کے بعد سونا بھی جائز ہے غرض اہل سلوک کیلئے یہ عمل تہجد کا بھی ضروری ہے اور اگر کبھی تہجد قضا ہو جائے تو زیادہ غم میں نہ پڑے تہجد کی قضا دن میں کرلے اس آیت سے یہی مراد ہے وھو الذی جعل الیل والنھار خلفۃ لمن اراد ان یذکر الخ (وہ ذات پاک ایسی ہے جس نے رات اور دن کو ایک دوسرے کے پیچھے آتا جاتا لگا دیا ہے اس شخص کیلئے جو خدا کو یاد کرنا چاہے) بعض لوگوں کا تہجد اگر قضا ہو جائے تو حد سے زیادہ پریشان ہوتے ہیں۔ اور کراہتے ہیں اور افسوس کرتے ہیں کہ ہمارا تہجد کبھی قضا نہ ہوا تھا یہ کیا ہو گیا یاد رکھو اتنی پریشانی کا انجام بعض اوقات یہ ہوتا ہے کہ بجائے مطالعہ محبوب کے اپنے مطالعہ میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ اس غم میں لگ کر اصل ذکر سے جو کہ مقصود ہے رہ جاتے ہیں اور انسان مطالعہ محبوب کیلئے پیدا ہوا ہے اسکو غیر میں مشغول نہ ہونا چاہئے۔ ع ماضی و مستقبلت پردہ خدا ست (تمہارا گذشتہ زمانہ اور آئندہ زمانہ کا خیال لگا رہنا خدا کا حجاب بنجائیگا) غرض نفس کو پریشانی میں زیادہ مبتلا نہ کیا جائے اور تجربہ ہے کہ بعض اوقات آسانی رکھنے سے نفس خوشی سے کام دیتا ہے اور تنگی اور بوجھ ڈالنے سے پہلا کام بھی چھوٹ جاتا ہے۔ اسلئے بہت تنگی نہ کرو کہ "مزدور خوش دل کند کار بیش" بعض محققین کا قول ہے

کہ ذاکر شاغل کو مرغن کھانا کھانا چاہئے۔ ورنہ ضعف ہو جائیگا اور کسی وقت بیکار ہو جائیگا۔ خوب کھاؤ پیو اور اس سے کام لو۔ البتہ یہ یاد رہے کہ کھانے پینے میں ایسی زیادتی نہو کہ کسل ہو جائے یا بیمار ہو جائے بیمار ہو کر اور خرابی میں پڑ جائے۔ اسی لئے کلوا واشربوا کیساتھ ولا تسرفوا بھی فرمایا ہے حضرات اہل بیت میں سے کسی بزرگ کا قصہ ہے کہ اُن سے کسی نصرانی حکیم نے پوچھا تھا کہ قرآن کو کتاب جامع کہتے ہیں اسمیں طب کی ضروری چیز ہے نہیں ہے۔ فرمایا کہ اصل طب موجود ہے کلوا واشربوا ولا تسرفوا وہ دنگ رہ گیا۔ بطور جملہ معترضہ کے یاد آگیا کہ غالب جو ایک آزاد شاعر ہے اُسنے اپنے مذاق پر یہ شعر کہا تھا ؎

ہم توبہ جب کرینگے شراب و کباب سے — قرآن میں جب آیا کلوا واشربوا نہو

کسی نے خوب جواب دیا ہے ؎

تسلیم قول آپ کا ہم جب کریں جناب — جب آگے واشربوا کے ولا تسرفوا نہو

ایسا ہی روحانی تنگی قبض حزن وغیرہ سے بھی پریشان نہونا چاہئے کیونکہ اسمیں بھی تزکیہ نفس ہوا کرتا ہے خاصکر وسوسہ کیطرف تو التفات بھی نہ کرنا چاہئے کیونکہ درپے ہونے سے اس میں اور بھی ترقی ہوتی ہے محقق اسکی طرف التفات بھی نہیں کرتا اور وسوسہ کے پیچھے پڑنے میں اس کے سوا اور بھی بہت خرابیاں ہیں اسی ایک وسوسہ سے اور شاخیں نکلنی شروع ہوتی ہیں اور رہا غم سو وہ الگ ہے اور غم کیوجہ سے اصل ذکر شغل کا فوت ہونا یہ الگ ہے ایسا ہی استغفار اور توبہ کیوقت معاصی کے تذکرہ و استحضار میں ایک قسم کا توسط ہونا چاہئے یہ ضروری نہیں کہ سب گناہوں کی پوری فہرست پڑھنے بیٹھ جائیے۔ صرف اجمالی طور پر سب گناہوں سے توبہ کیجئے ہر گناہ کا نام ضروری نہیں۔ حدیث میں ہے وما انت اعلم به منی۔ اس سے بھی یہ بات نکلتی ہے اسمیں سب گناہ آگئے اگرچہ یاد نہ آئیں کیونکہ اس سوچ میں وقت ضائع کرنا مطالعہ محبوب سے غافل ہونا ہے البتہ جو خود یاد آجائے اس سے بالخصوص بھی توبہ کرلے۔ ایک شخص کا ذکر ہے کہ رمی جمار کے وقت وہاں جوتیاں مار رہا تھا اور ایک ایک گناہ گن کر شیطان کو گالیاں دیتا تھا اور مارتا تھا سو یہ لغو ہے۔ ہر ایک گناہ کا نام لینا اور تلاش اور سوچ میں عمر عزیز کو جو دراصل مطالعہ محبوب کیلئے تھی اس سوچ بچار میں کھونا نہ چاہئے ؎

عمر عزیز قابل سوز و گداز نیست — ایں رشتہ را مسوز کہ چنداں دراز نیست

(عمر بڑی قیمتی ہے جلانے اور گھلانے کے قابل نہیں اس تاگے کو جلا مت ڈالا یہ کچھ زیادہ لمبا نہیں ہے)

اہل سلوک کو بالخصوص اسکا خیال بہت ضروری ہے کہ مطالعہ محبوب سے غفلت نہو۔ واقع میں عارف ہی کی نظر ان امور تک پہنچتی ہے۔ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے کسی خادم نے اس بات کا افسوس ظاہر کیا

کہ اب کی بیماری کی وجہ سے مدت تک حرم میں حاضر ہونا نصیب نہوا۔ آپ نے خواص سے فرمایا کہ اگر یہ شخص عارف ہوتا تو اس پر کبھی افسوس نہ کرتا کیونکہ مقصود قرب حق ہے اور اسکے لئے جسطرح نماز حرم ایک طریق ہے اسیطرح اسکے لئے مرض بھی ایک طریق ہے تو بندہ کا کیا منصب ہے کہ اپنے لئے خود ایک طریق معین کرے یہ مربی کے اختیار میں ہے طبیب کی تجویز مریض کی تجویز سے ہزار درجہ زیادہ بہتر ہے ؎

بدرد وصاف ترا حکم نیست دم درکش کہ ہرچہ ساقی ماریخت عین الطاف است

یہ سب بیان تھا قیام لیل اور اُسکے آداب کا اقتصاد کے ساتھ اب دوسرا معمول اہل سلوک کا مذکور ہوتا ہے ورتل القرآن ترتیلا ترتیل کے معنی ہیں تھام تھام کر پڑھنا۔ صحابہ کے زمانہ میں ایک یہ بھی طریق حصول نسبت کا تھا کہ قرآن اور نماز پر مداومت اور محافظت کرتے تھے چنانچہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کا حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے خواب میں دریافت کرنا کہ آجکل کے صوفیہ کے طریقوں میں سے کونسا طریقہ آپکے موافق ہے اور اُسکے جواب میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ ارشاد کہ ہمارے زمانے میں تقرب کا ذریعہ ذکر کے ساتھ قرآن اور نماز بھی تھا اور اب صرف ذکر پر اکتفا کر لیا ہے مشہور ہے اور اس تغیر کی ایک وجہ یہ ہے کہ صحابہ کے قلوب بہ برکت صحبت نبوی اس قابل تھے کہ اُنکو ان قیود کی جو بعد میں حادث ہوئیں ضرورت نہ تھی اُنکے قلوب میں صحبت نبوی کے فیض سے خلوص پیدا ہو چکا تھا وہ حضرات تلاوت قرآن اور کثرت نوافل سے بھی نسبت حاصل کر سکتے تھے اُنکو اذکار کے قیود زائد کی حاجت نہ تھی۔ برخلاف بعد کے لوگوں کے کہ انمیں وہ خلوص بدون اہتمام کے پیدا نہیں ہو سکتا۔ اسلئے صوفیۂ کرام نے کہ اپنے فن کے مجتہد گذرے ہیں اذکار اشغال خاصہ اور اُنکی قیود ایجاد کیں اسوجہ سے کہ تجربہ سے معلوم ہوا ہے کہ خلوت میں جب ایک ہی اسم کا تکرار ورد کیا جاتا ہے اور اُسکے ساتھ ضرب جہر وغیرہ قیود مناسبہ کا بھی لحاظ کیا جاتا ہے تو اسکی تاثیر قلب و نفس میں اوقع واثبت ہوتی اور رقت و سوز پیدا ہو کر موجب محبت ہو جاتا ہے اور محبت سے عبادت میں اخلاص پیدا ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ عبادت خالص کا حکم فرماتے ہیں وما امروا الا لیعبدو اللّٰہ مخلصین لہ الدین اور امرت ان اعبد الخ وغیرہ من الآیات۔ پس معلوم ہوا کہ حضرات صوفیہ نے یہ قیود ذکر کے بطور معالجہ تجویز فرمائے ہیں اور اصل مقصود وہی اخلاص ہے۔ پس اگر کسی شخص کو ان قیود سے مناسبت نہو یا بغیر ان قیود کے کسی کو اذکار مسنونہ نوافل و تلاوت قرآن میں پورا اخلاص پیدا ہو سکتا ہو تو صوفیۂ کرام ایسے شخص کیلئے ان قیود کی ضرورت نہیں سمجھتے بس اب معلوم ہو گیا کہ یہ تمام قیود اصلاح و تقویت کیواسطے علاجاً تجویز کئے گئے ہیں کوئی شرعی امر قربت مقصودہ نہیں سمجھا جاتا جو بدعت کہا جائے۔ الحاصل یہ دوسرا دستور العمل تھا اہل سلوک کیواسطے یعنی تلاوت قرآن۔ اسکے بعد ارشاد فرماتے ہیں اِنّا سنلقی

علیک قولاً ثقیلاً اس کو ماقبل سے اسطور پر ربط ہو کہ مراد قولاً ثقیلاً سے وحی ہو جو کہ ثقیل تھی اور نماز
اور تلاوتِ کلام مجید کی مزاولت سے قوت احتمال اثقال وحی کی پیدا ہو گئی اسلئے پہلے نماز اور تلاوت کا حکم
فرمایا۔ پھر انا سنلقی الخ میں وحی کا وعدہ کیا اب اسکی تحقیق کہ نزول وحی کے وقت ثقل معلوم ہونے کا
کیا سبب تھا سو یہ امر عقول متوسط سے خارج ہے۔ باقی روایات سے ثقل ہونا ثابت ہو چنانچہ نزول وحی
کیوقت اونٹنی کا بیٹھ جانا اور ایک صحابی کا یہ قول کہ نزول وحی کیوقت (جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کی ران انکی ران پر تھی) یہ معلوم ہوتا تھا کہ میری ران پھٹی جاتی ہو اور آنحضرت کو سخت شدت سرما میں بھی
نزول وحی کے وقت پسینہ آجاتا۔ اس ثقل کے آثار روایت میں وارد ہیں اور ان آیات میں کہ الم نشرح
لک صدرک ووضعنا عنک وزرک الذی انقض ظہرک (کیا ہم نے تمہارا حوصلہ نہیں بڑھادیا
اور ہمیں نے تمہارا وہ بوجھ تمپر سے اُتار دیا جس نے تمہاری کمر توڑ رکھی تھی) یہ شرح صدر اور وضع وزر جو موجب
نقض ظہر تھا میرے نزدیک اسی طرف اشارہ ہے اور آیت لو انزلنا ھذا القرآن علی جبل الخ
(اگر یہ قرآن پہاڑ پر اترتا) اس معنی میں بھی بہت ہی صاف ہو اور نماز اور تلاوت اور ذکر کی مزاولت اور کثرت
سے قوت کا پیدا ہونا اور ثقل وحی کے احتمال کی طاقت پیدا ہو جانا اس طور پر ہے کہ چونکہ ذکر وغیرہ سے واردات
اور فیوض غیبیہ علمی و عملی قلب پر فائض ہوتے ہیں انکے ورود سے قلب میں بتدریج قوت پیدا ہوتی رہتی
ہے جسکی وجہ سے شدت و ثقل کا مقابلہ اُس کے لئے آسان ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اہل تلوین کا اضطراب اور
اہل تمکین کا استقلال اسی وجہ سے ہے کہ پہلے قلب میں قوت تحمل کی نہ تھی۔ پھر ذکر کی کثرت سے احتمال اثقال
کی طاقت آگئی اور اس شعر میں ان واردات میں سے بعض کا ذکر ہے ؎

بینی اندر خود علوم انبیا　　بے کتاب و بے معید و اوستا

(پھر تم اپنے اندر نبیوں کے علوم پانے لگو گے بغیر کتاب کے اور بغیر کسی مددگار کے اور بغیر کسی اُستاد کے نئی نئی باتیں خدا کیطرف سے سمجھ
میں آنے لگیں گی) اور یہ حالات وارده مختلف قسم کے ہوتے ہیں۔ کبھی ذوق و شوق و سرور و انبساط ہوتا ہے کبھی
حزن و انقباض ہوتا ہے۔ بسط کے الگ فائدے ہیں اور قبض کے علیحدہ مصالح اور سب محمود ہیں کیونکہ قبض
میں بھی تزکیہ نفس و اصلاحِ عجب ہوتی ہے ؎

چونکہ قبض آید تو در وے بسط بیں　　تازہ باش و چیں میفگن بر جبیں
چونکہ قبض آید ترا اے راہرو　　آں صلاح تست آیس دل مشو

(جب خدائی مدد بندبھی ہو تو تمہیں چاہیئے کہ اُسے سہہ جاؤ اور مدد کو جاری سمجھکر خوش رہو رنج نکرو اے سالک جب تم پر قبض
ہو تو اسی میں تمہاری بہتری ہو مایوس نہو بیٹھو)

آگے ارشاد ہوتا ہے کہ ان ناشئۃ الیل ھی اشد وطأً واقوم قیلاً۔ اس آیت میں یہ ارشاد ہے کہ رات کو اٹھنے کیوقت چونکہ شور وشغب سے سکون ہوتا ہے اور افعال معاش کا بھی وقت نہیں ہوتا اسلئے قلب میں یکسوئی ہوتی ہے اور اسلئے اسوقت جو کچھ زبان سے پڑھا جاتا ہے دلکو اس سے بہت تاثیر ہوتی ہے اور جو کچھ کیا جاتا ہے اسکا اثر قوی ہوتا ہے تو گویا اس آیت میں ان ناشئۃ الیل الخ مضمون آیت ماقبل قم الیل اور رتل القرآن الخ کی تعلیل ہے کہ اسوقت بوجہ ان اسباب کے حضور قلب زیادہ ہوتا ہے لہذا قیام لیل و ترتیل کا فائدہ اسوقت پورے طور سے حاصل ہوگا۔ اور حضور قلب کے متعلق ایک طریقہ تجربہ سے معلوم ہوا ہے وہ یہ کہ مبتدی ہر ہر لفظ پر بتکلف مستقل ارادہ کرے۔ اسی طرح الفاظ پر توجہ رکھنے سے حضور حاصل ہوجاتا ہے اور بعد چندے ملکہ ہوجاتا ہے زیادہ تکلف کیضرورت نہیں ہوتی اور منتہی کو ملاحظہ ذات سے حضور میسر ہوسکتا ہے ابتدا میں یہ مشکل ہے کیونکہ مبتدی کو غائب کا تصور جمتا نہیں اور منتہی ذات کا ملاحظہ رکھ سکتا ہے۔ اسکے بعد فرماتے ہیں ان لک فی النھار سبحا طویلا پہلے بطور حکمت کے بیان ہوا ہے کہ تہجد اور قرآن مجید پڑھا جاوے کیونکہ اسوقت اسکا اثر زیادہ ہوگا اب اسکے علاوہ ایک اور وجہ بیان فرماتے ہیں کہ آپ کو دن میں اور کام بھی رہتے ہیں انکی وجہ سے خاص قسم کی توجہ الی اللہ تام نہیں ہوسکتی اسلئے یہ وقت شب کا کہ مصروفیت سے خالی ہے تجویز کیا گیا اور وہ کاروبار یہ ہیں تبلیغ دین۔ تربیت خلائق حوائج ضروریہ لازمیہ بشریت ہرچند کہ تبلیغ دین اور تربیت خلائق خود بھی دین ہے لیکن چونکہ ان میں ایک قسم کا تعلق مخلوق سے بھی ہوتا ہے لہذا اسمیں خاص قسم کی توجہ الی اللہ پورے طور پر نہیں ہوسکتی جیسی خاص خلوت میں ہوسکتی ہے یہاں سے بھی اس اوپر والی بات کی تائید ہوتی ہے کہ انسان باوجود کمال کے بھی لوازم بشریہ سے بالکل نہیں چھوٹ سکتا۔ دیکھئے آیت صاف دلالت کرتی ہے کہ نہار کا سبح طویل یکسوئی سے ایکدرجہ میں آپ کو بھی مانع ہوجاتا تھا اور چونکہ آپ کے تمام احوال کامل ہیں اس سے معلوم ہوا کہ خلق کیطرف مشغول ہونا منافی کمال نہیں۔ پس صاحب کمال پر بھی ہر وقت یکساں حالت نہیں رہتی حضرت ابوبکر صدیق رضؓ اور حضرت حنظلہ رضؓ کا قصہ حدیث میں ہے کہ حضرت حنظلہ نے اپنے کو اس بنا پر منافق کہا کہ آنحضرت کیسامنے کچھ اور حالت ہوتی ہے اور پیچھے کچھ اور اسپر حضرت صدیق اکبر نے فرمایا کہ یہ حالت تو ہماری بھی ہے۔ آخر یہ قصہ حضور میں پہونچا۔ اسپر آنحضرت نے فرمایا ولکن یا حنظلۃ ساعۃ وساعۃ ایک گھڑی کیسی ایک گھڑی کیسی اور درحقیقت اگر ہر وقت وہی حالت تجلی کی رہے خود جسمانی حالت بھی ٹھیک نہ رہے اور تعطل ہوگا کیونکہ حالت علیہ میں انتظام تغذیہ وغیرہ کا ممکن نہیں پھر اس فنا کی نوبت آجائیگی ولنعم ما قیل ؎

چو سلطان عزت علم بر کشد جہاں سر بجیب عدم درکشد

(باقی آئندہ)

(جب وہ عزت والا بادشاہ اپنا جھنڈا لیکر آجائیگا تو پھر سارا جہان معدوم ہو جائے گا۔)

دوسری مصلحت یہ بھی ہے کہ ذوق ولذت جب ہی آتی ہے کہ اس حالت میں دوام نہو ورنہ دوام سے عادت ہو جائیگی اور لذت جو بسبب جدت کے معلوم ہوتی ہے نہ رہیگی کل جدید لذیذ اسکے علاوہ ایک اور حکمت بھی ہے وہ یہ کہ غلبۂ استغراق میں قصد نہ رہیگا اور بلا قصد کے اعمال کا اجر نہیں اور بلا اعمال قرب نہیں ملتا اور اعمال ہی دنیا میں مقصود ہیں۔ دنیا میں انہیں اعمال کیواسطے بھیجا گیا ہے۔ ورنہ دنیا میں آنے سے پہلے روح کو خود ایسی حالتیں حاصل تھیں اور حضور دائم میسر تھا مگر اعمال نہ تھے۔ انکے واسطے دنیا میں بھیجا گیا لہذا اعمال اور انکا اجر امر مہتم بالشان ٹھہرا اسلئے محققین صوفیہ نے فرمایا ہے کہ استغراق میں ترقی نہیں ہوتی۔ ان سب باتوں سے معلوم ہو گیا کہ تجلی میں جیسی حکمتیں ہیں ویسی ہی استتار میں بھی ہیں یہاں ایک فائدہ قابل غور معلوم ہوا وہ یہ کہ باوجودیکہ تبلیغ دین و تعلیم احکام متعدی نفع ہے اور بوجہ متعدی ہونے کے وہ نفع لازمی سے بڑھکر ہے اسلئے منتہی کو اسکا زیادہ اہتمام ہوتا ہے۔ مگر باایں ہمہ یہ ارشاد ہے کہ چونکہ آپ کو دن میں بہت کام رہتے ہیں رات کو تہجد اور ترتیل سے قرآن پڑھا کیجئے اور ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں کہ فاذا فرغت فانصب والی ربک فارغب (جب آپ تبلیغ سے فارغ ہوا کیجئے تو پھر اپنے رب کیطرف جھکا کیجئے) اس سے یہ ثابت ہوا کہ کامل کو اپنے لئے بھی کچھ نہ کچھ ضرور کرنا چاہئے اور بعد تکمیل بھی ذکر سے غفلت نہ چاہئے ورنہ نہ خود اسکا وہ حال رہیگا نہ دوسرونکو اس سے کامل نفع پہنچے گا کیونکہ بدون خود کئے ہوئے تعلیم میں برکت نہیں ہوتی۔ یہی معنی ہیں قول مشہور من لا ورد لہ لاوارد لہ کے البتہ یہ غلطی ہے کہ منتہی قطع تعلق کرکے دوام خلوت اختیار کرلے ؎

طریقت بجز خدمت خلق نیست   بہ تسبیح و سجادہ و دلق نیست

(درویشی جانماز۔ تسبیح اور گدڑی کا نام نہیں ہے بلکہ شرع کے مطابق مخلوق کی خدمت کرنے کا نام ہے)

لیکن خود اپنے کو قابل ارشاد نہ سمجھنے لگے۔ البتہ جب شیخ اجازت دیدے تو امتثالاً اس کام کو بھی شروع کردے اور پہلے سے اسکی نیت کرنا اور ذکر و شغل اس نیت سے کرنا بھی مضر ہے اور اس نیت کیساتھ کامیابی مشکل ہے۔ وجہ یہ کہ یہ نیت بڑا بننے کا شعبہ ہے۔ اب کامل کی توجہ الی الخلق میں ایک شبہ رہا وہ یہ کہ اشتغال بالخلق اسکو یاد حق سے مانع ہوگا سو اس شبہ کی منتہی کامل کے حق میں گنجائش نہیں کیونکہ منتہی کی بسبب وسعت صدر کے یہ حالت ہوتی ہے کہ اسکو شغل خلق یاد حق سے مانع نہیں ہوتا۔ اور نیز خلق کیساتھ اسکا مشغول ہونا بھی بامر حق ہوتا ہے اور اسکو مقصود اس سے امتثال امر و رضائے حق جل وعلا ہی ہوتی ہے اور خلق کیطرف اسکی توجہ خدا ہی کیلئے ہوتی ہے اسلئے اسکو اشتغال بالخلق مانع عن الحق نہیں ہو سکتا بلکہ یہ اشتغال خود حقوق خلق سے ہے اور اس آیت میں سبحاً طویلاً بطور جملہ معترضہ کے مخلوق کے اس حق کیطرف اشارہ ہے اور مخلوق کا وہ حق یہ ہے۔ نفع عام۔ تربیت ارشاد لیکن اس حق خلق میں حق خالق کو نہ بھولنا چاہئے چنانچہ یہاں بھی مخلوق کے بیان سے پہلے قم اللیل الخ میں

حقوق اللہ بیان کئے گئے تھے اور مخلوق کے حقوق کے بعد بھی واذکر اسم ربک فرمایا گیا ہے۔ تو گویا یہ اشارہ ہے اسطرف کہ اس شغل میں ہمیں نہ بھول جانا۔ اول آخر دونوں جگہ یاد دلایا گیا ہے۔ اور واذکر اسم ربک میں اکثر مفسرین لفظ اسم کو زائد کہتے ہیں اور بعض زائد نہیں قرار دیتے اور اس اختلاف سے یہاں ایک عجیب مسئلہ مستفاد ہو گیا اور اختلاف امتی رحمۃ کا ظہور ہو گیا اور وہ مسئلہ یہ ہے کہ زیادۃ اسم کا قول تو موافق حالت منتہی کے ہے اور عدم زیادۃ کا قول موافق حالت مبتدی کے ہے کیونکہ مبتدی کو خود مسمی اور مذکور کا تصور کم جمتا ہے اس کیلئے یہی کافی ہے کہ اسم ہی کا تصور ہو جائے۔ برخلاف منتہی کے کہ اسکو ملاحظۂ ذات بلا واسطہ سہل ہے اور حدیث ان تعبد اللہ کانک تراہ (خدا کی عبادت اُسے حاضر ناظر مانتے ہوئے کیا کرو) میں مشہور توجیہ پر منتہی کا طریق اور اسکی حالت کا بیان ہے اور عام کیلئے حضور کا ایک سہل اور مفید طریق خدا کے فضل سے سمجھ میں آیا ہے وہ یہ کہ آدمی یہ خیال کر لے کہ گویا اللہ تعالیٰ نے قرآن کی تلاوت فرمائش کی ہے اور میں اس فرمائش پر اُسکو سنا رہا ہوں اس سے بہت آسانی سے حضور میسر ہو جاتا ہے اسکے بعد ارشاد ہے وتبتل الیہ تبتیلا۔ اسمیں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ تبتل کو صرف واذکر اسم کے متعلق کیا جائے تو اس صورت میں تبتل سے اشارہ ہوگا مراقبہ کیطرف یعنی ذکر کیساتھ مراقبہ ہو اور ایک یہ کہ تبتل کو مستقل حکم کہا جائے مطلب یہ ہوگا کہ علاوہ احکام مذکورہ کے یہ بھی حکم ہے کہ سب سے قطع تعلق کر دو بایں معنی کہ سب کا تعلق اللہ تعالیٰ کے تعلق علمی اور حبی سے مغلوب ہو جائے اور اثر اس مغلوبیت کا تعارض مقاصد کیوقت معلوم ہوتا ہے مثلاً ایک وقت میں دو کام متضاد پیش آئے ایک کام تو اللہ تعالیٰ کے تعلق کا ہے اور دوسرا غیر اللہ کے تعلق کا اور دونوں کا جمع ہونا ممکن نہ ہو تو ایسے وقت پر اللہ کے کام کو اختیار کرنا اور خلاف مرضی حق کو چھوڑ دینا بس یہی معنی ہیں قطع تعلق کے۔ نہ یہ کہ کسی سے کوئی واسطہ ہی نہ رکھے ؎

تعلق حجاب است و بے حاصلی　　　　چو پیوندہا بگسلی واصلی

(کسی سے لگاؤ رکھنا ہی خدا سے حجاب ہے بس جہاں تم نے سارے تعلقات پر خدا کے تعلق کو ترجیح دی کہ تم واصل ہو گئے)

البتہ اختلاط میں افراط کرنا مضر ہے۔ اسکے آگے فرماتے ہیں کہ رب المشرق والمغرب لا الہ الا ھو فاتخذہ وکیلا۔ مطلب یہ کہ اللہ پر توکل کرو اس سے معلوم ہوا کہ اہل سلوک کیلئے توکل کی بھی ضرورت ہے اور یہ انکا معمول ہونا چاہئے۔ نکتہ اس توکل کی تعلیم میں یہ ہے کہ اعمال مذکورہ بالا کے اختیار کرنیکے بعد حالت میں تغیر و تبدل قبض و بسط شروع ہوگا۔ اس میں ضرورت توکل کی ہوگی اسلئے فرماتے ہیں کہ آخر وہ مشرق و مغرب کا رب ہے اسلئے اُسنے جو حالت تم پر وارد کی ہے اسمیں کوئی حکمت ضرور ہوگی اور ثابت ہے کہ اکثر قبض میں تصفیہ و تزکیہ خوب ہوتا ہے اسلئے تمکو تنگ دل نہ ہونا چاہئے اور خدا پر بھروسہ رکھنا چاہئے اسمیں کچھ مصلحت رکھی ہوگی اور مشرق و مغرب کا ذکر قبض و بسط کی حالت کے کسقدر مناسب ہے مشرق تو حالت بسط کے مناسب ہے کہ اسمیں ظہور ہوتا ہے واردات کا اور مغرب

مناسب ہی حالت قبض کے پس مشرق و مغرب کا نمونہ باطن انسان میں بھی پایا گیا ولنعم ما قیل ؎

آسماں ہاست در ولایت جاں — کار فرمائے آسمانِ جہاں

در رہ روح پست و بالاہاست — کوہ ہائے بلند و بالا ہاست

(روحانی ملک میں بھی آسمان ہیں جو اس دنیا کے آسمان سے کام لے رہے ہیں اور روحانی راستوں میں بھی نشیب و فراز ہیں اور اونچے اونچے پہاڑ ہیں) اور جسطرح مغرب میں آفتاب مستور ہوتا ہے معدوم نہیں ہوتا اسیطرح قبض میں کیفیات سلب نہیں ہوتیں بلکہ مستور ہوجاتی ہیں اور پھر بسط میں گویا طلوع ہوجاتی ہیں حاصل کل کا یہ ہوا کہ اہل سلوک کیلئے یہاں چند ضروری معمول بیان کئے گئے قیام لیل یعنی تہجد تلاوت قرآن تبلیغ دین ذکر و تبتل۔ توکل اور چونکہ تعلق خلق کی دو قسم ہیں ایک موافقین کیساتھ اسکا بیان اشارۃً ان لک فی النھار سبحا طویلا میں ہوا ہے جس کا حاصل تبلیغ دین اور ارشاد و تربیت ہے چونکہ موافقین سے تعلق محبت کا ہوا اُسکے حقوق بوجہ اسکے کہ وہ حالت طبعی ہے تقاضائے حب کیوجہ سے خود بخود ادا ہو جاتے ہیں اسلئے اسمیں زیادہ اہتمام کی ضرورت نہوئی۔ البتہ مخالف کے معاملہ میں ممکن تھا کہ کچھ افراط و تفریط ہوجاتی اسلئے اسکا بیان اہتمام سے فرماتے ہیں واصبر علی ما یقولون واھجرھم ھجرا جمیلا مطلب یہ کہ مخالف کی ایذا پر صبر کیجئے اور ان سے علٰحدہ رہئے اچھے طور پر کہیں ایسا نہ ہو کہ سختی سے اُنکی آتش عناد اور بھڑک اُٹھے اور زیادہ تکلیف پہنچائیں ہجر جمیل سے مراد قطع تعلق ہے اسطرح پر کہ قلب میں تنگی نہو پھر جب صبر کی تعلیم دیگئی تو اسکی تسہیل کیلئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی اپنے انتقام لینے کی خبر سنا کر آپکی تسلی بھی فرمائی جاتی ہے کہ و ذرنی والمکذبین اولی النعمۃ و مھلھم قلیلا (یعنی مخالفین کے معاملہ کو ہمپر چھوڑ دیجئے ہم ان سے پورا بدلہ لے لیں گے۔ یہ خدا کی عادت ہے کہ اہل حق کے مخالفین سے پورا انتقام لیتے ہیں اسلئے بھی مناسب یہی ہے صبر اختیار کیا جائے کیونکہ جب اپنے سے بالادست بدلہ لینے والا موجود ہے تو کیوں فکر کیجائے۔ خدا تعالیٰ کی اس سنت کے موافق مخالف کو آخرت اور دنیا دونوں میں رسوائی ہوجاتی ہے ؎

بس تجربہ کردیم دریں دیر مکافات — با دُرد کشاں ہر کہ درافتاد برافتاد

(اس انتقامی دنیا میں ہم نے بارہا آزمایا کہ جو شخص بھی سچے فقیروں سے بھڑا وہ پٹکا گیا)

اور ؎ ہیچ قومے را خدا رسوا نہ کرد — تا دلِ صاحبدلے نامد بدرد

(خدا نے کسی قوم کو اسوقت ذلیل کیا جب کسی اہل دل کے دل کو دکھ پہونچ گیا)

الغرض اہل تصوف کی معمول بہ چند چیزیں ہوئیں جنکا بیان اس مقام پر ہوا قیام لیل یعنی تہجد۔ تلاوت قرآن تبلیغ دین۔ ذکر و تبتل۔ توکل۔ صبر۔ اسلئے اس مجموعہ بیان کو جو کہ اہل تصوف کے معمولات کو بتفصیل حاوی اور شامل ہے سیرۃ الصوفی کے لقب سے ملقب کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے اور یا ایھا المزمل میں دو لطیفے بھی

بھی معلوم ہوئے ایک یہ کہ جسطرح آپ بوجہ غایت حزن والم اپنے اوپر چادر اوڑھے ہوئے تھے۔ اسی طرح بعض اہل طریق کا معمول ہوتا ہی کہ چادر ایسے طور پر لپیٹ لیتے ہیں کہ نظر منتشر نہو اور اس سے قلب منتشر نہو اور جمعیت کے ساتھ ذکر میں لگا رہے۔ دوسرا لطیفہ یہ کہ المزمل کے معنی عام میں کمبل اوڑھنا بھی ہو تو یا ایھا المزمل میں اشارہ ہوگا لقب یا ایھا الصوفی کیطرف کیونکہ لفظ صوفی میں گو اختلاف ہے مگر ظاہر یہی معلوم ہوتا ہی کہ مراد موٹا کپڑا یا کمبل والا وغیرہ مراد لیا جائے پس صوفی اور مزمل متقارب المعانی ہوئے۔ اور اہل تصوف نے یہ لباس اسلئے اختیار کیا تھا کہ جلدی پھٹے نہیں جلدی میلا نہو اور بار بار دھونا نہ پڑے اور بعض اہل شفقت اس خاص وجہ سے بھی یہ شعار رکھتے تھے کہ مستور ہونے کی حالت میں بعض لوگ انکو ایذا پہونچا کر مبتلائے وبال ہو جاتے تھے اسلئے اُنھوں نے ایک علامت مقرر کی جیسے آیت ذلک ادنی ان یعرفن فلا یوذین اسکی نظیر ہی بس یہ حکمتیں تھیں اس لباس میں اور اب تو محض ریا و سمعہ (دکھاوے) کی غرض سے پہنتے ہیں جو بالکل اس شعر کا مصداق ہے ؎

نقد صوفی نہ ہمہ صافی بیغش باشد   اے بسا خرقہ کہ مستوجب آتش باشد

(صوفی سب کھرے اور پارسا ہی نہیں ہوتے اکثر بہت سے خرقہ والے دالے درویش بھی جہنمی ہیں)

اسلئے یہ اب قابل ترک ہو گیا ہے۔ واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین والسلام علی المرسلین وعلی عباد اللہ الصالحین برحمتک یا ارحم الراحمین فقط۔